پیغامِ مصطفےٰ کی اشاعت اور ہماری مساجد کا نظم ونسق

محمد زاہد

جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

zahidimdadia@yahoo.com

zahidimdadia@outlook.com

یہ ایک حقیقت ہے کہ دین کی دعوت و ترویج اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں معاشرے کی تربیت میں مسجد کا شروع ہی سے بڑا اہم کردار رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس ادارے کو بنیادی اہمیت دی۔ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے تشریف لائے تو مدینے کے قریب بستی قبا میں چند روزہ قیام کے دوران آپ نے مسجد تعمیر کروائی جس کی تعمیر میں کبارِ صحابہ اور خود نبی کریم ﷺ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں بھی آپ نے سب پہلا کام مسجد کی تعمیر ہی کا کیا۔ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں مسلمانوں کی دینی، تربیتی، دعوتی، سیاسی ، سماجی اور عسکری سر گرمیوں کا محور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ تھی اور آپ کی ذاتِ مبارکہ اور آپ کی زندگی کا محور مسجد تھی۔ آپ نے اپنی رہائش اور اور اپنی ازواجِ مطہرات کے حجرات کے لئے بھی مسجد سے متصل جگہ منتخب فرمائی۔ کسی بھی سفر کے لئے آپ کی روانگی کا آغاز مسجد سے ہوتا اور واپسی پر بھی آپ کی سب سے پہلے تشریف آوری مسجد ہی میں ہوتی۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی اشاعت و ترویج اور تزکیے کے ذریعے قلوبِ صحابہ میں اس پیغام کی ترسیخ کا محور مسجدِ نبوی ہی تھی۔ اس کے بعد تاریخ گواہ ہے کہ جہاں جہاں بھی مسلمان گئے انہوں نے سب سے پہلا کام مسجد ہی کی تعمیر کا کیا اور اسے اپنی زندگی کا مرکز بنایا۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنا طریقہ اور اپنے کمانڈروں کو ہدایت تھی کہ اگر کسی بستی کے خلاف جہاد کے لئے جائیں لیکن وہاں مسجد نظر آئے یا اذان کی آواز سنائی دے تو حملہ نہ کرو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں مسجد واذان کو کسی بستی میں اسلام کے وجود کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ عالمِ اسلام کی متعدد نامور اور بڑی بڑی دانش گاہیں ایسی ہیں جن کا تخم کوئی نہ کوئی مسجد ہی تھی۔

آج مسلم دنیا میں بالعموم اور پاکستانی تناظر میں بالخصوص یہ بات شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ پیغامِ مصطفےٰ ﷺ کی ترویج واشاعت اور اسے زندگی میں راسخ کرنے کے لئے مسجد کا جو کردار ہونا چاہئے وہ پورے طور ادا نہیں ہو پا رہا۔ مسجدوں کے بارے میں یا تو یہ شکایت ہے کہ وہ مسلمانوں کو جوڑنے کی بجائے ان کی وحدت میں رخنے ڈالنے کا ذریعہ بن رہی ہیں، اور اگر یہ بھی ہو تو بیشتر مساجد کے بارے میں یہ شکایت تو عام ہے کہ وہ بہت حد تک بانجھ ہو چکی ہیں، ان میں مسلم سماج کی تربیت کا وہ کردار ادا نہیں ہو رہا جس کی ان سے توقع ہونی چاہئے۔

مسجد کے ماحول میں بنیادی طبقے تین ہیں۔ مسجد سے استفادہ کرنے والے عام لوگ، مسجد کے منتظمین اور مسجد میں دینی فرائض انجام دینے والا طبقہ مثلاً امام وخطیب وغیرہ۔ مسجد کے کردار کو مؤثر بنانے کے لئے ان تینوں طبقات کے کردار پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے علاوہ ایک اہم ادارہ ریاست کا بھی ہے کہ اس کی اس حوالے سے کیا ذمہ داریاں ہیں۔ عام طور پر اگر مسجد کے کردار کو بہتر بنانے کا سوچا جاتا ہے تو موضوعِ بحث دوسرا طبقہ یعنی ائمہ وخطبا وغیرہ کا بنتا ہے۔ یقیناً اس طبقے کا کردار سب سے اہم ہے۔ مسجد میں فرائض انجام دینے والا دینی راہ نما اگر محمد مصطفی ﷺ کے پیغام اور اور آپ دعوتی مزاج سے صحیح طور پر آگاہ ہو اور اس حوالے سے سلیقہ اور لگن بھی رکھتا ہو تو مسجد کی افادیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ لوگ بہتر انداز سے دین سیکھ پاتے ہیں بلکہ ان کی طرف سے سماج کو فراہم کی گئی تربیت کے نتیجے سے دین سے دوری رکھنے والے شخص کو بھی یہ احساس ہو سکتا ہے کہ دین کی ایک ہوائی اور واہماتی چیز نہیں بلکہ ہماری زندگی کی جیتی جاگتی حقیقت اور ضرورت ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس طبقے کا کردار اگر کما حقہ نہیں تو کسی نہ درجے میں ہمارے ہاں موضوعِ بحث آتا ہے۔ ائمہ وخطبا کو کیا کرنا چاہئے کیا نہیں اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے، اس موضوع پر لکھے جانے والے مضامین، کالمز اور شاید تحقیقی مقالہ جات کی ایک طویل فہرست تیاری کی جا سکتی ہے۔ اس طبقے کی اصلاح کے لئے دیئے جانے والے خطبات ولیکچرز کی بڑی تعداد میں نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ ائمہ وخطبا کی تربیت کے لئے چھوٹے بڑے کورسز بھی ہوتے رہتے ہیں۔ دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی وقتاً فوقتاً اس حوالے سے مؤثر کورسز کرواتی رہتی ہے۔ ہاؤسنگ کے بعض بڑے ادارے جن کے تحت قابلِ ذکر تعداد میں مساجد ہیں ان کے ہاں بھی اس حوالے سے کچھ نہ کچھ نظام موجود ہے۔ پھر بھی اس طبقے کی درستگی اور خامیوں کی نشان دہی کی خاصی گنجائش موجود ہے۔

لیکن مسجد کا ایک کردار ایسا ہے جو ہمارے ہاں بہت زیادہ نظر انداز ہو چکا ہے، بلکہ تقریباً اس کے بارے میں بات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اور وہ کردار ہے مسجد کا نظم و نسق یا مسجد کی انتظامیہ۔ حالانکہ مسجد کے کردار کو مؤثر اور بہتر بنانے کے سلسلے میں جتنی اہمیت امام و خطیب کی ہے اسی کے قریب قریب بلکہ شاید اس سے کچھ زیادہ اہمیت مسجد کے نظم و نسق کی بھی ہے۔ اگر مسجد کے امام اور خطیب کو ہم بہتر تربیت سے مزین کر بھی دیں لیکن مسجد کا انتظامی ماحول اس تربیت کے عملی انطباق کے لئے سازگار نہیں ہے تو یہ ساری محنت بے کار ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ بہت سی جگہوں پر مساجد کے نظم و نسق کی طرف سے پڑھے لکھے، سنجیدہ، معتدل اور خود دار عالمِ دین کو ایک کم تعلیم وصلاحیت والے دعوتی اصولوں سے ناآشنا لیکن خوشامد مزاج شخص کے مقابلے میں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ مسئلہ صرف پاکستان کا نہیں بلکہ یورپ کے وہ علاقے جہاں بڑی تعداد میں پاکستانی آباد ہیں وہاں سے بھی اس طرح کی شکایات سننے میں آتی رہتی ہیں۔ بقول ایک صاحب کے یوروپ کے بعض علاقوں کی مساجد میں دعوتی معیار کی بجائے ہمارے میڈیا کی طرح عالمِ دین کی بھی ریٹنگ کو اہمیت دی جاتی ہے۔

مثلاً ایک مسجد کی ایک فرقہ وارانہ شناخت بن چکی ہے۔ انتظامیہ اس شناخت کو نہ صرف برقرار رکھنا چاہتی ہے بلکہ اسے باعثِ فخر سمجھتی ہے وہاں فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے بیچارہ مولوی کیا کرلے گا۔ راقم الحروف ایک خطیب صاحب کو جانتا ہے جنہیں ان کی انتظامیہ کے صدر نے کہا کہ آپ توحید پر بھی بیان فرمائیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ توحید کی بات تو جمعے کے بیانات میں کسی نہ کسی طرح آہی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے ہاں اولیا کے مزارات پر جو نادرست کام ہوتے ہیں جنہیں ہر مکتبِ فکر کے سنجیدہ علما ممنوع قرار دیتے ہیں ان پر بات ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ ضرورت اس لئے نہیں کہ میرے مخاطب الحمد للہ پہلے ہی سے موحد ہیں، ان میں کوئی مشرک نہیں ہے۔ لیکن صدر صاحب کا اصرار باقی رہا، انہوں نے عرض کیا کہ اب میں سمجھا کہ توحید بیان کرنے سے مراد آپ کی یہ ہے کہ میں فلاں فلاں فرقے کے لوگوں کو مشرک قرار دوں۔ جب خطیب صاحب ان کی مرضی کی توحید بیان کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے تو انہوں نے کسی دوسرے عالم کی خدمات حاصل کر کے از خود اس کا انتظام کیا۔

زیرِ نظر صفحات میں میں مساجد کے کردار کو مؤثر بنانے کے حوالے سے کچھ تجاویز کو زیرِ بحث لانا مقصود ہے، جس میں زیادہ توجہ مساجد کے نظم و نسق، اس میں عامۃ الناس، مساجد کے منتظمین اور ریاست کی ذمہ داریوں پر دی

جائے گی۔ الحمد للہ ہم مساجد کے حوالے سے اچھی اچھی باتیں اور اچھی اچھی خواہشات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ائمہ و خطبا کو مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں، لیکن نتائج حاصل کرنے کے لئے ہمیں ٹھوس تجاویز اور لائحہ عمل پر بات کرنا ہو گی، کچھ قدم اٹھانے پڑیں گے، کچھ محنت کرنا ہو گی اور کچھ خرچ کرنا ہو گا۔ اسی عملی جذبے کے تحت یہ چند منتشر تجاویز پیش کی جارہی ہیں۔ یہ تجاویز پیش کرنے سے پہلے یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ مساجد کے نظام میں اصلاحات کی ضرورت کے باوجود مساجد کے نظام نے اب تک جو خدمات انجام دی ہیں وہ یقیناً قابل صد ستائش و سپاس ہیں۔ ائمہ و خطبا کا کردار تو خیر ہے ہی یہ مساجد کے منتظمین ہی ہیں جنہوں نے جیسے کیسے ہوا اللہ و رسول ﷺ کے نام کو اس ملک میں زندہ و بلند رکھا ہوا ہے۔

کسی جگہ مسجد بنانے کا فیصلہ کیسے اور کن بنیادوں پر ہوتا ہے، مسجد کی انتظامیہ کے تعین کا معیار اور طریقِ کار کیا ہوتا ہے، امام و خطیب اور دیگر عملے کے تقرر کا عموماً معیار کیا ہوتا ہے، کیا تقرر کا فیصلہ کرنے والوں کو وہ expertise دستیاب ہوتی ہیں جن کی بنیاد پر وہ متعلقہ شخص کی صلاحیتوں کو بہتر طریقے سے پرکھ سکیں۔ کیا ہماری مساجد میں مزدور کی کم از کم تنخواہ کا جو معیار قانوناً مقرر ہے کم از کم اسی پر ملک کی تمام مساجد میں عمل ہوتا ہے۔ مسجد کے عملے کو بچوں کی تعلیم صحت، اپنی ممکنہ بے روزگاری، اپنے بڑھاپے کے حوالے سے کتنا احساسِ تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ امام و خطیب کی آواز، طرز لگانے کی صلاحیت اور فرقہ وارانہ ریٹنگ کی کتنی اہمیت ہوتی ہے اور سنجیدہ انداز سے خاندانی، سماجی، انفرادی، نفسیاتی مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں راہ نمائی کرنے کی صلاحیت کو کتنا وزن دیا جاتا ہے۔ علاقے کے لحاظ سے مساجد کی صفائی ستھرائی اور نفاست کا کتنا اہتمام ہوتا ہے۔ کیا مساجد کی انتظامیہ کسی ضابطہ اخلاق کی پابند ہوتی ہیں۔ اگر کسی فریق کو کسی دوسرے کی طرف سے زیادتی کی شکایت ہو تو کیا اس کے ازالے یا شنوائی کے لئے کوئی پلیٹ فارم موجود ہوتا ہے۔ کیا مساجد کے منتظمین کے لئے تربیت یا ان کی راہ نمائی کا کوئی بندوبست ہمارے ملک میں موجود ہے، کیا اردو زبان یا مقامی زبانوں میں ایسا لٹریچر دستیاب ہے جس میں مساجد کے منتظمین کو ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ مسجدوں کے تعمیری نقشوں کے سلسلے میں کیا ہمارے ہاں کوئی سٹینڈرڈز موجود ہیں، ان میں کس طرح کے علاقے میں کس سائز کی مسجد کے لئے کن کن سہولتوں کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح کے بے شمار سوالات ہیں جن میں ہر ایک سوال بذاتِ خود تحقیقی کام کا متقاضی ہے، جس کی طرف ہمارے اداروں کو توجہ کرنی

چاہئے، وگرنہ صرف 'مولوی' پر فوکس کرنے اور صرف اسی کی اصلاح پر توانائیاں صرف کرنا ناکافی ہوگا۔ ان سطور میں یہ تو ممکن نہیں ہے کہ اس طرح کے تمام سوالات کا احاطہ کیا جائے، یہاں صرف چند تجاویز پیش کرنا مقصود ہیں۔

ا۔ اصلاحات کی طرف راغب کرنے کی حکمتِ عملی

مساجد کے نظم و نسق کو کن اصولوں، ضابطوں، اور اخلاقیات کا پابند ہونا چاہئے اس کی بات کرنے سے پہلے اہم سوال یہ ہے کہ انہیں اس پر لانے کا طریقِ کار کیا ہوگا۔ جب مساجد وغیرہ کے نظام میں اصلاحات لانے کی بات ہوتی ہے تو بیشتر اذہان میں عموماً اس کا ایک فارمولا آتا ہے اور وہ یہ کہ ریاست اپنے اختیارات اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے ان تمام چیزوں کو براہِ راست اپنی نگرانی میں لے لے، اور ایک ایک چیز ریاست کی مرضی سے طے ہو۔ لیکن پاکستان جیسے متنوع اور جمہوری معاشرے میں عملاً ایسا ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ مسلمان ملکوں میں مساجد کے نظم و نسق کو مکمل طور پر ریاستی کنٹرول کے ذریعے چلانے کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں تاہم کسی دوسرے ملک میں ان کی تقلید سے پہلے وہاں کی عملی حقیقتوں کو دیکھنا ہوگا۔ برصغیر کی تاریخ میں یہ چیز بالکل اجنبی ہوگی اور یہاں کے مخصوص مزاج اور حالات کے اعتبار سے ناقابلِ عمل۔ اس لئے مساجد کے نظم و نسق کو کسی ڈھب پر اور اصلاحات کے کسی مجموعے پر لانے کے لئے ترغیبی اور تدریجی طریقِ کار اختیار کرنا ہی زیادہ بہتر ہوگا، جس میں یقیناً ریاست کا بھی ایک کردار ہے جس پر آگے چل کر بات ہوگی۔ اس سلسلے میں درجِ ذیل امور کو مدّنظر رکھا جاسکتا ہے۔

ا. <u>راہ نمائی کا بندوبست:</u>

بہت سی جگہوں پر یقیناً مساجد کا نظم و نسق چلانے والوں میں اس بات کا شوق موجود ہوگا کہ وہ اپنی مسجد کو دین کے پیغام کی اشاعت اور معاشرے کی صحت مند تربیت کے لئے مؤثر پلیٹ فارم بنائیں، بلکہ کئی جگہوں پر اس کی قابلِ تقلید عملی مثالیں بھی مل جائیں گی۔ تاہم بہت سی جگہوں پر شوق تو موجود ہوتا ہے راہ نمائی کی کمی ہوتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلی ضرورت تو اس موضوع پر متعلقہ لوگوں کی راہ نمائی کا انتظام ہے تاکہ جو اپنی ذمہ داریاں بہتر سے بہتر انداز میں نبھانے کا جذبہ رکھتے ہیں ان کے اس جذبے کو عملی شکل دی جاسکے۔ (جنہیں شوق ہی نہیں ان کی بات آگے آرہی ہے)۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے تو:

أ. ایک وسیع زمینی مطالعہ اور تحقیقی کام:

ان امور کی نشان دہی کی ضرورت ہو گی نظم ونسق مساجد میں جن کی طرف راہ نمائی کرنا مطلوب ہے۔ یہ کام شاید سب سے بنیادی، سب سے زیادہ محنت طلب اور سب سے زیادہ اہم ہے۔اس کے لئے مساجد کی عملی صورتِ حال کا گہرائی سے مطالعہ کرانا ہوگا، میدانی تحقیقات کرانا ہوں گی، اور کمزور جگہوں کی نشان دہی اور ان کا حل تجویز کرنا ہوگا۔ یہ ایک بڑا تحقیقی نوعیت کا کام ہوگا۔ دعوہ اکیڈمی جیسے ادارے اور ہماری جامعات بالخصوص ان کے اسلامی علوم کے شعبے اس سلسلے میں کام کر سکتے ہیں۔

ب. راہ نما مواد اور لٹریچر کی تیاری:

مذکورہ بالا مطالعات اور تحقیقات کی بنیاد پر آسان اور عام فہم زبان میں منتظمینِ مساجد کے لئے لٹریچر کی تیاری۔ یہ مواد اور لٹریچر جہاں منتظمینِ مساجد کو یہ بتائے کہ وہ اپنی مساجد کو زیادہ سے زیادہ فائدہ مند پلیٹ فارم کیسے بنا سکتے ہیں وہیں اس حوالے سے ان میں ترغیب اور اٹھان بھی پیدا کرے۔

ج. تربیتی کورسز کا انعقاد:

ان تحقیقات اور مواد پر مبنی کورسز کی تیاری اور مختلف سطحوں پر تربیتی کورسز کے انعقاد کے انتظامات۔

۲. راہ نمائی لینے پر آمادگی پیدا کرنا:

یہ بات تو ان منتظمینِ مساجد کی تھی جن میں واقعی شوق موجود ہے۔ جن میں اس طرح کا کوئی جذبہ یا شوق موجود ہی نہیں ہے ان کے بارے میں:

أ. ترغیبی مہم:

منتظمینِ مساجد کے لئے ترغیبی مہم شروع کی جائے، انہیں قائل کیا جائے کہ اصلاحات کے راستے پر چلنا خود ان کے دنیوی و اخروی مفاد میں ہے۔اس طرح سے ان کی کاوشیں ان کے لئے زیادہ بہتر

صدقہ جاریہ بن سکتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے میڈیا کو استعمال کیا جائے۔ جو منتظمین خود کو سیکھنے اور اصلاحات کے راستے پر لائیں ان کی حوصلہ افزائی کے مختلف ذرائع اختیار کر کے مسابقتی ماحول پیدا کیا جائے۔

ب. مساجد کی ریٹنگ کا نظام بنایا جائے:

مساجد کے نظم ونسق کے حوالے سے سٹینڈرڈز تشکیل دے کر ان کی باقاعدہ شفاف درجہ بندی، ریٹنگ یا سٹینڈرڈز سرٹیفکیشن کا انتظام ہونا چاہئے۔ بادی النظر میں اس طرح کی تجاویز ہو سکتا ہے عجیب بلکہ مضحکہ خیز معلوم ہوں، لیکن ہمارے ہاں کاروباری اداروں سے لے کر کھیل کی ٹیموں تک کی ریٹنگ ہوتی ہے تو مساجد کو بھی اگر ہم زندگی کا اہم شعبہ سمجھتے ہیں تو یہاں یہ کام کیوں نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا اگر ہم صرف باتیں نہیں واقعی نتائج چاہتے ہیں تو ہمیں عملاً کچھ کرنا تو پڑے گا۔

ج. مسجد انتظامیہ میں تربیت یافتہ لوگوں کی شمولیت:

اوپر ذکر کیا گیا کہ مساجد کے نظم ونسق کے حوالے سے مختلف سطحوں پر تربیتی کورسز کروائے جائیں۔ اس کے بعد ایک مرحلے پر جا کر اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ہر مسجد کی انتظامیہ میں ایسے لوگ شامل کئے جائیں جو مذکورہ تربیت حاصل کر چکے ہوں۔ ابتدا میں تربیت یافتہ لوگوں کے بہت معمولی تناسب کو لازمی قرار دیا جائے، تدریجاً اس تناسب کو مناسب حد تک بڑھایا جائے۔ یہ کام ظاہر ہے کہ صرف حکومت ہی کر سکتی ہے۔ حکومت کے کردار پر ہم آگے چل کر بات کریں گے۔ مثلاً وہ یہ کر سکتی ہے کہ اس کے بغیر کسی مسجد کمیٹی کو رجسٹر ڈ ہی نہ کرے۔

د. معیارات پر پورا اترنے والی مساجد کے لئے مراعات اور ترغیبات:

جو مسجد طے شدہ معیارات پر پوری اترے اسے اس کی درجہ بندی کے اعتبار سے سرکار کی طرف مراعات و ترغیبات دی جائیں۔ اس میں یوٹیلٹی بلز میں تخفیف یا ان کی معافی یا حکومت کی طرف سے

ادائیگی بھی ہوسکتی ہے۔ بالخصوص پسماندہ علاقوں کی مساجد کے لئے مزید مالی امداد بھی ہوسکتی ہے۔ تعریفی اسناد بھی ہوسکتی ہیں، یہ اسناد وغیرہ اہم شخصیات کے ہاتھوں بھی دلوائی جاسکتی ہیں۔

ہ. معیار پر پورا نہ اترنے والی مساجد کی حوصلہ شکنی:

جس مسجد کی انتظامیہ معیارات پورا نہ اترے، بلکہ منفی درجہ بندی میں آرہی ہو اس کی درجہ بندی کے لحاظ سے حوصلہ شکنی کی تدابیر پر بھی بہت مجبوری کی صورت میں غور ہوسکتا ہے۔

۲۔ ہمیں اہلِ مساجد سے کیا مطلوب ہے؟

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مساجد کے نظم و نسق کے حوالے سے راہ نما اصول اور معیارات مرتب کرنے کے لئے ایک وسیع مطالعے اور خاصے کام کی ضرورت ہو گی۔ تاہم یہاں چند اہم امور کی اشارہ کیا جاتا ہے:

ا. ائمہ وخطبا اور عملے کی مراعات:

مساجد میں جو خدمات انجام دی جاتی ہیں، جیسے امامت، خطابت، مؤذنی اور تعلیمِ قرآن وغیرہ یہ اتنی عظیم ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز ان کا معاوضہ نہیں بن سکتی۔ اس لئے مساجد میں خدمات انجام دینے والوں کو جو مالی مراعات ملتی ہیں وہ صحیح معنوں میں ان خدمات کا معاوضہ نہیں کہلا سکتیں۔ اسی لئے فقہائے حنفیہ میں سے متقدمین سمیت متعدد فقہانے ان امور پر معاوضے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ صحیح معنی میں یہ معاوضے کی بجائے کفالت ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص اپنا وقت کسی کے کام کے لئے وقف کر دیتا ہے تو اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی کفالت اس کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ مساجد میں مذکورہ خدمات کا برقرار رہنا بنیادی طور پر پوری سوسائٹی کی ذمہ داری ہے، لیکن وہ چونکہ ہمہ وقتی خود کو فارغ نہیں کر سکتے اس لئے جو خود کو ان خدمات کے لئے فارغ اور وقف کرے گا اس کی کفالت اس سوسائٹی کے ذمے ہو گی۔ اگر ہم خالص فقہی اصطلاح استعمال کرنا چاہیں تو اسے نفقہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ کفالت یا نفقے کے بنیادی اصولوں کو اگر دیکھیں تو ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس کی مقدار کفالت کرنے والے، جس کی کفالت کی جارہی ہے اور جس ماحول میں کی جارہی ہے اس سے مطابقت رکھتی ہو۔ قرآن

عموماً جہاں نفقے کی بات کرتا ہے وہاں اس سارے اصول کو "بالمعروف" کے مختصر لفظوں میں پرو دیتا ہے۔اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اہل علاقہ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مسجدی خدمات کے کم از کم سربراہ(امام وخطیب) کو وہ معیارِ زندگی فراہم کریں اس علاقے، محلے، بستی وغیرہ کا اوسط درجے کا ہے۔فقہا یہ بھی کہتے ہیں کہ قدیم فقہا نے ان خدمات کے معاوضے کو اس وقت ممنوع قرار دیا تھا جبکہ اہلِ علم کو بیت المال سے وظائف مل جایا کرتے تھے۔ گویا آج کل کے مشاہرات وغیرہ درحقیقت ان وظائف کا متبادل ہیں، جو اصلاً تو حکومت کے ذمے ہوتے تھے، لیکن اگر حکومت یہ کام نہ کرے تو مسلمان سوسائٹی پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے وظائف کے بارے میں اپنی پالیسی بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

فالرجل وقدمه، والرجل وبلاؤه، والرجل وعياله، والرجل وحاجته[1]

آدمی کے قدیم الاسلام ہونے (سینارٹی) کو دیکھا جائے گا، اس کارکردگی اور صلاحیت کو مد نظر رکھا جائے گا، اس کے اہل وعیال اور اس کی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔

ہمارے ہاں مسجد کے ائمہ وخطبا سے مطالبات سے بہت سے کئے جاتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کچھ لینے کے لئے دینا بھی پڑتا ہے۔

2. ائمہ وخطبا اور عملے کا تقرر:

أ. ائمہ وخطبا کے تقرر کے حوالے سے بھی اصول اور معیارات طے ہوں:

ظاہر ہے کہ ملک بھر کی تمام مساجد کے لئے یکساں معیار ممکن نہیں ہے۔علاقوں اور محل وقوع وغیرہ کے اعتبار سے مساجد کی درجہ بندی کر کے اسی کے حساب سے معیار اور اصول بھی طے ہونے چاہئیں۔ان معیارات میں اچھی دینی تعلیم، مناسب حد تک عصری تعلیم، حسن قراءت، اچھا اخلاق و کردار، فرقہ وارانہ تعصب سے خالی ہونا وغیرہ بہت سی چیزوں کو مد نظر رکھا جاسکتا ہے۔اس وقت

---

[1] ۔سنن ابی داود، کتاب الخراج والإمارة والفیء: باب فیما یلزم الإمام من أمر الرعیة، حدیث نمبر: ۲۹۵۰۔

صورتِ حال یہ ہے کہ دینی مدارس کے ذہین فضلا عموماً مسجد کی خدمات کو اپنی ترجیحی فہرست میں بہت نیچے رکھتے ہیں، عموماًان کی کوشش ہوتی ہے کہ دینی مدارس یا سرکاری اداروں کی تدریس یا کوئی اور ذمہ داری مل جائے، اس لئے مساجد کے لئے ، بالخصوص امامت کے لئے آمادہ ہونے والوں میں عموما کم صلاحیت کے فضلا ہی ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو ان ذمہ داریوں پر تقرر کے معیار کی بات غیر عملی سی لگتی ہے۔ لیکن اگر پچھلے نمبر میں ذکر کردہ مالی کفالت والی بات ہماری مساجد کے ماحول میں آجائے اور امامت کے منصب کو واقعی باوقار منصب بنالیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ذہین اور باصلاحیت فضلا بھی اس کام کے لئے تیار ہوں گے بلکہ وہ خود کو اس مقصد کے لئے بلند سے بلند معیار پر لانے اور اپنی صلاحیتوں کو اس کے مطابق ڈھالنے کی بھی کوشش کریں گے۔

ب. دینی مدارس کے نصاب میں تربیتی مواد شامل کروایا جائے:

ائمہ و خطبا کی تیاری کے اہم مراکز دینی مدارس ہیں۔ لیکن یہ حیران کن بات ہے کہ امامت و خطابت کی تربیت اور دعوتی اصولوں کی تعلیم ، عامۃالناس کے ساتھ برتاؤ کے اصول وغیرہ ان مدارس کے بیشتر نصابات کے کسی بھی مرحلے میں باقاعدہ طور پر شامل نہیں ہیں۔ مدارس کے نصاب میں اس طرح کے تربیتی مواد کو ایک لازمی مضمون کے طور پر شامل کروانا چاہیئے۔

ج. دینی مدارس کے فضلا کے لئے تربیتی کورسز کا اہتمام:

ظاہر ہے اب تک جو علما فارغ التحصیل ہو چکے ہیں ان کے لئے مختلف دورانیوں پر مشتمل ملک بھر میں تربیتی کورسز کروائے جائیں۔ اس حوالے سے دعوۃ اکیڈمی کے تجربات بھی خاصے فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں۔ آہستہ آہستہ مساجد کو اس بات پر آمادہ کیا جائے یا اس کا پابند بنایا جائے کہ وہ تربیت یافتہ امام کو ترجیح دیں۔

د. تازہ ترین کورسز کا اہتمام:

بنیادی کورسز کے علاوہ تسلسل کے ساتھ ریفریشر کورسز کا سلسلہ بھی چلتا رہے۔اور منتظمینِ مساجد کو آمادہ یا پابند کیا جائے کہ وہ اپنے ائمہ کو ان کورسز میں بھیجیں۔اہلِ ثروت کے علاقوں کی مساجد سے ان کورسز کے اخراجات بھی وصول کئے جائیں، دیگر مساجد سے کی فیسوں میں معافی یا تخفیف کی جائے۔

ہ. کورسز کی یکسانیت:

بہتر ہو گا کہ ان کورسز کو مرتب کرنے اور عملاً منعقد کرانے والی ایک ہی اتھارٹی ہو، کم از کم ایک صوبے کی حد تک تو ایسا ہو۔اگر متعدد ادارے یا محکمے یہ کام کر رہے ہوں تو بھی کم از کم ان میں رابطہ کاری کا ایسا نظم موجود ہو جس کے نتیجے میں ان کورسز میں تقریباً یکسانیت ہو۔

3. اخلاقی معیار:

مسجد کو نہ صرف تعلیم اخلاق کا مرکز ہونا چاہئے بلکہ مسجد کا ماحول بھی اعلی اخلاق کا نمونہ ہونا چاہئے۔اس کے لئے جہاں اس بات کی ضروت ہے کہ ائمہ وخطبا خود مثال بنیں وہاں منتظمینِ مسجد کو بھی اس طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً مسجد کے عملے کے ساتھ ان کا رویہ اور انداز وہ ہونا چاہئے جو اس پلیٹ فارم سے دوسروں کو سکھائے جانے کے قابل ہو۔کسی کی غلطی پر تنبیہ وغیرہ کسی بھی انتظامی ذمہ دار کی مجبوری ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے اختیار کردہ طریقے طریقے میں فرق ہوتا ہے۔بالخصوص مسجد میں دینی مقتدا کے ساتھ رشتہ بہت احترام کا ہونا چاہئے اور مسجد کا عمومی ماحول اس کا عکاس ہونا چاہئے۔

4. مساجد کا کمیونٹی سے تعلق:

عہدِ رسالت مآب ﷺ میں مسجد ایک کمیونٹی سنٹر ہوتا تھا، بالخصوص خدمتِ خلق کا سب سے بڑا مرکز ہوتا تھا۔مثلارسول اللہ ﷺ کے ذہن میں جب یہ تجویز آئی کہ جس شخص کے پاس کھجوروں کے دس وسق ہوں وہ ان میں سے ایک خوشا محتاجوں کے لئے وقف کر دے تو اس کام کے لئے جو جگہ آپ نے تجویز فرمائی وہ مسجد نبوی

ہی تھی۔ چنانچہ آپ نے حکم فرمایا کہ یہ خوشے مسجد میں فلاں جگہ لٹکا دیئے جائیں[2]، ضرورت مند وہاں سے حاصل کر لیتے تھے۔راقم الحروف نے ایک جگہ ملاحظہ کیا کہ ایک روڈ پر جہاں شادی ہالز کی لائن تھی، ان کے پچھواڑے میں ایک چھوٹی سی مسجد میں امام صاحب نے یہ بینر لگایا ہوا تھا کہ اگر کسی کو کھانا حاصل کرنا ہو تو وہ امام صاحب سے رابطہ کرے۔ غالباً مسجد کے قریب کچھ غریب آبادی بھی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوا کہ امام صاحب نے مسجد کے اس محل وقوع کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ استعمال کیا۔ ایک طرف شادی ہالز میں بچنے والا کھانا ہے دوسری طرف غریب لوگ ہیں۔ ایک مسلمان ملک میں یہ تجربہ بھی ہوا کہ ایک مسجد کے خطیب صاحب کو خیال ہوا کہ گھروں میں تھوڑا تھوڑا کھانا جو بچ جاتا ہے اور عموماً نالیوں میں بہہ جاتا ہے کیوں نہ اسے یکجا کر کے ضرورت مندوں تک پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ بعض لوگوں کو متوجہ کر کے مسجد کے ایک حجرے میں ایک فریزر رکھوا دیا تاکہ جس کے گھر میں معمولی کھانا بچا ہوا ہو وہ نماز کے لئے آتے ہوئے کسی شاپر وغیرہ میں ساتھ لیتا آئے اور فریزر میں رکھ دیں اور جس کو ضرورت ہو وہ اس فریزر سے لے لے۔ دیکھتے ہیں دیکھتے اس کام نے ایک بڑے چین کی شکل اختیار کر لی جس کے ذریعے صرف کھانے ہی نہیں ملبوسات وغیرہ بہت سی استعمال شدہ چیزیں غریبوں کو دستیاب ہونے لگ گئیں۔

کمیونٹی کی خدمت ایک مستقل فن ہے۔ مساجد کے منتظمین اور کارکنان کو اس حوالے سے تھوڑی سی راہ نمائی بھی مل جائے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

5. صفائی ونفاست کا معیار:

صفائی، ستھرائی اور نفاست ہمارے دین کی اہم تعلیم ہیں۔ الحمد للہ ہمارے بڑے شہروں کے خوش حال علاقوں کی مساجد میں اس کا کافی حد تک اہتمام ہوتا بھی ہے، تاہم ہماری بہت سی مساجد اس حوالے سے توجہ کی محتاج ہیں۔ بالخصوص بیت الخلا اور وضو خانے وغیرہ کو تو صفائی اور حفظانِ صحت کے اعلیٰ ترین معیار پر پورا اترنا چاہیئے۔ خوش حال مساجد میں تو اس معیار کو نفاست کے اعلیٰ معیار تک لے جایا جانا چاہیئے۔ لوگوں کو جس طرح کا معیار دیا جائے اسے اسی

---

[2] - سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ: باب حقوق المال، حدیث نمبر: ۱۶۶۸

انداز سے استعمال کرنے کے خود ہی عادی ہو جاتے ہیں۔ایک مسافر کا جو طرزِ عمل ایک بس سٹینڈ پر ہوتا ہے اسی کا طرزِ عمل اگر موٹروے کے سروسز ایریا میں دیکھا جائے تو خاصا فرق نظر آئے گا۔

6. انتظامی معیار کے بارے میں تجاویز اور فیڈ بیک لینے کی عادت:

کسی بھی اچھے ادارے میں اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ اس کی خدمات سے استفادہ کرنے والوں کی آرا و تجاویز تسلسل کے ساتھ حاصل ہوتی رہیں۔اس کے کام کے معیار کو بہتر بنانے میں بہت مدد ملتی ہے۔اگر مساجد کے منتظمین بھی اپنے انتظامات کے بارے میں فیڈ بیک لینے کا معمول بنالیں۔مثلاً جس طرح مسجد میں چندہ ڈالنے کے لئے ایک بکس رکھا ہوتا ہے اسی طرح تجایز کے لئے بھی ایک بکس کہیں لٹکا دیا جائے۔بے شک منتظمین کے علاوہ اس مواد تک کسی اور کی رسائی نہ ہو۔فیڈ بیک لینے جدید ابلاغی ذرائع کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

یہ تو چند مثالیں ہیں، ورنہ بہت سی چیزیں ایسی ہو سکتی ہیں جنہیں مساجد کے نظم نسق کے تربیتی مواد، معیارات اور ضوابط میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ حکومت کی ذمہ داری

ظاہر ہے کہ یہ سارے کام محض پرائیویٹ سطح پر نہیں ہو سکتے، اس میں بہت سا کام بلکہ بڑا کام حکومتوں کے کرنے کا ہے۔سچی بات یہ ہے کہ حکومتی سطح پر مساجد کے نظام کو سنجیدگی سے لیا ہی نہیں گیا اور شاید اسے زندگی کا اہم شعبہ سمجھا ہی نہیں گیا۔اوقاف کی چند مساجد چلا کر حکومت نے خود کو بری الذمہ سمجھ لیا۔یہ درست ہے حکومت کا کام حکومت کرنا ہی ہوتا ہے ادارے یا زندگی چلانا نہیں۔جہاں بھی حکومت ادارے چلانے بیٹھ جائے وہاں عموماً قابلِ رشک نتائج سامنے نہیں آتے۔لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح اداروں کو چلانا یا انہیں کنٹرول کرنا حکومتوں کا کام نہیں ہوتا وہیں زندگی سے متعلق اہم اداروں کو ریگولیٹ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتا ہے۔یہی اصول مساجد بھی لاگو ہوتا ہے۔مذکورہ بالا نوعیت کی تمام تجاویز زبانی جمع خرچ ہی رہیں گی اگر حکومت اس حوالے سے

اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کرے۔ حکومت اس حوالے سے اپنی ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہو یہ اگرچہ تفصیل طلب موضوع ہے تاہم یہاں اختصار کے ساتھ چند تجاویز کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اَ. ملکی اور صوبائی سطحوں پر بلکہ ہو سکے تو ضلعی سطحوں پر بھی مساجد کے معاملات کے لئے ادارے مثلا بورڈز یا کمیشن یا ریگولیٹری اتھارٹی وغیرہ ہونے چاہیئں جو سرکاری لوگوں کے علاوہ مناسب تعداد میں اہلِ علم و دانش اور اہلِ تجربہ پر مشتمل ہوں۔ اس لئے کہ اس کے بغیر حکومتی کردار وزارت کے سیکریٹری سے شروع ہوگا اور ڈی سی او آفس کے عام آفیسر بلکہ کلرک سے ہوتا ہوا بواسطہ ایس ایچ او مسجد تک پہنچے گا اور پورے عمل پر روایتی بیوروکریسی کا رنگ غالب رہے گا۔

ب. مساجد کے بارے میں تمام اہم معاملات مثلاً کہاں مسجد بنے کہاں نہ بنے، مساجد کی کمیٹیوں کی رجسٹریشن، مسجد کمیٹیوں کے بائی لاز کا عمومی فریم، مساجد سے متعلقہ لوگوں کے حقوق، ان کی ذمہ داریاں، اوپر ذکر کردہ تجاویز کو عملی شکل دینے کے صورتیں وغیرہ وغیرہ تمام اہم امور کے بارے میں بنیادی فیصلے اسی ادارے کے تحت انجام پائیں۔ عملی تنفیذ تو ظاہر ہے انتظامی مشینری ہی کرے گی۔

ج. اگر مسجد انتظامیہ اپنی ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ نہیں ہو رہی، بالخصوص اس کی طرف سے کسی حق تلفی ہو رہی ہے تو اس کی شنوائی کا بنیادی ذمہ دار بھی یہی ادارہ ہو۔

د. مساجد کی طرف سے فراہم کردہ مشاہراتی مراعات وغیرہ کے علاوہ ملازمین کے مستقبل کو محفوظ سے محفوظ بنانے کے حوالے سے تدابیر بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہو۔ مثلاً کوئی اینڈومنٹ فنڈ قائم کرنا، انشورنس یا تکافل کی طرز کا کوئی بندوبست کرنا جس کے ذریعے بچوں کی تعلیم، صحت، بچوں کی شادیاں وغیرہ، بڑھاپا یا معذوری وغیرہ کے حالات کا تحفظ فراہم کرنا مقصود ہو۔ اس طرح کے کام کے لئے ابتدا میں قابلِ ذکر رقم مختص کرنا ہوگی، بعد میں قطرہ قطرہ دریا بنتا رہے گا۔